محمد جعفر پھلواروی

کلمۂ سواء

اگر توحید کا انسانی زندگی اور انسانی معاشرے سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو توحید محض ایک شاعری یا ڈاگمہ سے زیادہ وقیع شے نہ ہوتی اور نہ اس پر سارے انبیاء اتنا زور دیتے۔ اسلامی تعلیمات اس معاملے میں اتنی واضح ہیں کہ دنیا کا اور کوئی مسئلہ اتنا واضح نہیں۔ وحدت ربانی پر اتنا زور دینے کی وجہ ہی صرف یہ ہے کہ معاشرۂ انسانی سے اس کا بڑا گہرا ربط ہے اور ہر قدم پر اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ توحید محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ اصولِ حیات، جانِ زندگی اور ضامنِ امنِ کائنات ہے۔ اس کا پہلا اثر اور اول قدم ہے وحدتِ انسانی۔

وحدت انسانی کا مطلب یہ ہے کہ سارے انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک امت اور ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد ہیں۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ لہٰذا ان سب کے حقوق یکساں ہیں۔ کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں، سب مساوی ہیں۔ قانون کے آگے کسی کی کوئی امتیازی حیثیت نہیں۔ کوئی انسان اپنا کوئی مخصوص پیدائشی حق لے کر نہیں آیا۔ کسی عجمی کو عربی پر یا کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں۔ کسی نسل کو دوسری نسل پر، کسی وطن کو دوسرے وطن پر، کسی زبان کو دوسری زبان پر، کسی پیشے کو دوسرے پیشے پر، کسی رنگ کو دوسرے رنگ پر کوئی ایسی فضیلت حاصل نہیں جو تقرب الٰہی بخش سکے۔ اگر کسی کو کسی پر کوئی وجہ تقرب یا فضیلت ہے تو وہ صرف حسنِ کردار کی وجہ سے ہے۔

جو شخص اس نصب العین پر ایمان نہیں رکھتا اور رنگ، نسل، وطن، زبان، پیشے یا فرقے وغیرہ کو درمیان میں حائل کر کے انسانی وحدت میں تفریق پیدا کرتا ہے وہ اسی طرح مشرک ہے جس طرح وحدت

ریا قی کے کُرنے والا مشرک ہوتا ہے۔ جب ہی تو قرآن نے کہہ دیا ہے کہ ۔۔۔۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا (تم ان مشرکوں میں سے نہ ہوجانا جنہوں نے دینی تفریق کرکے گروہ بندیاں پیدا کرلیں۔)

اس موقعے پر ایک بڑی عبرت آموز حکایت سن لیجیے۔ کہتے ہیں کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے زمانے میں ایک بڑے متشرع قاضی صاحب تھے جو ابن عربی کے شیخ کو برا بھلا کہتے تھے۔ اپنے شیخ کے بارے میں اس قسم کے الفاظ کا ناگوار ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ اس لئے ابن عربی کو ان صاحب سے سخت نفرت ہوگئی۔ ایک دن ابن عربی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضورؐ نے قاضی صاحب کے بارے میں دریافت فرمایا تو ابن عربی نے کہا کہ: "یا رسول اللہ! مجھے اس سے سخت نفرت ہے۔ وہ میرے شیخ کو برا سمجھتا ہے اور انہیں برا کہتا ہے میں اسے کیسے برداشت کرسکتا ہوں؟ اگر میں اس سے نفرت کا اظہار نہ کروں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بھی اس کی معترضانہ باتوں سے راضی ہوں"۔ یہ سُن کر حضورؐ نے فرمایا کہ: اچھا یہ بتاؤ کہ وہ (قاضی) میرے بارے میں کیا کہتا ہے؟" ابن عربی نے کہا کہ: حضور کے بارے میں وہی کچھ کہتا ہے جو ایک سچے مسلمان کو کہنا چاہیے۔" حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے شیخ کا تو اتنا لحاظ ہے کہ جو انھیں برا کہتا ہے اسے تم برا سمجھتے ہو لیکن میرا اتنا لحاظ بھی نہیں کرتے کہ جو مجھے اچھا سمجھے اسے تم اچھا سمجھو!" — آنکھ کھلنے کے بعد ابن عربی کی چشم بصیرت بھی کھل گئی اور قاضی صاحب کے پاس آکر انہوں نے اپنا دل صاف کرلیا۔

کہنے کو تو یہ ایک خواب ہے لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ اخلاص اور توحید کی ساری کائنات اس میں سمٹی ہوئی ہے اگر ہم کسی سے اختلاف اور نفرت رکھنا چاہیں تو اس کے لئے سینکڑوں منطقی وجوہ تلاش کرسکتے ہیں اور اگر اتحاد و محبت کی وجوہ ڈھونڈنا چاہیں تو وہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں مل سکتی ہیں۔ اول الذکر کا نتیجہ باہمی عداوت، جنگ اور بدامنی ہوگی اور ثانی الذکر کا ثمرہ باہمی محبت دوستی، امن اور سلامتی کی شکل میں نمودار ہوگا۔ پھر یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم جتنا نیچے اترتے جائیں گے اختلاف کی خلیجوں میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور جس قدر اوپر چڑھتے جائیں گے

اسی قدر وحدت کے عوامل میں اضافہ ہوتا جائے گا اور اختلافات کی خندقیں پٹتی چلی جائیں گی۔

یوں سمجھیے کہ اگر کوئی شخص صرف دادا کی اولاد سے دلچسپی رکھتا ہو تو پڑدادا کی اولاد اس کے دائرۂ دلچسپی میں نہیں آئے گی۔ اور اگر پرداداکی اولاد سے دلچسپی رکھنے لگے تو اس کا دائرہ وسیع تر ہو جائے گا۔ لیکن پھر بھی اور اوپر کے جد مثلاً سرداداکی اولاد اس دائرے میں نہ آسکے گی۔ غرض جتنا نیچے اتریے اتنا ہی دائرہ تنگ ہوتا جائے گا اور جس قدر اوپر جائیے اسی قدر انسانی برادری میں وسعت پیدا ہوتی جائیگی۔

اسلام نے اس معاملے میں انسانی برادری کی وسعت کے لئے آخری مرکز کو اختیار کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے: اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (ہم نے تمہیں ایک مرد و زن سے پیدا کیا ہے)۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: انتم من آدم و آدم من تراب (تمہارا باپ آدم ہے اور وہ مٹی سے بنا ہے)۔ اس پیغام کو انسانی برادری کا نصب العین ماننے کے بعد اتنی وسعت و ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے کہ رنگ، نسل، وطن و زبان اور پیشہ و مسلک کے سارے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں اور وما کان الناس الا امۃً واحدۃً انسان کا نصب العین بن جاتا ہے۔ یہی ہے وہ وحدتِ انسانی جو لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے وحدتِ ربانی کے عقیدے کا۔ اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ٹکڑے خواہ وحدتِ ربانی کے کیے جائیں یا انسانی برادری کے یا دین کے یہ سب کے سب شرک ہیں۔ ہر قبیلے کا الگ الگ بت ہو جب بھی شرک ہے اور ہر قبیلے کے پیدائشی حقوق الگ الگ کر دیئے جائیں جب بھی شرک ہے۔ خدا ایک ہے اگرچہ اس کی صفات بے شمار ہیں۔ دین صرف ایک ہے اگرچہ شریعتیں مختلف ہیں اور اسی طرح انسانی برادری صرف ایک ہے اگرچہ رنگ، نسل، زبان، پیشے اور اوطان متعدد ہیں اگر ذرا آگے قدم رکھئے تو آپ کو کائنات میں بھی وحدت ہی نظر آئے گی لیکن اس وقت یہ گفتگو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

فلسفے اور تصوف کا سارا رنگ و تاز کا مرکز ہے کثرت میں وحدت کی تلاش۔ گویا صحیح فلسفہ اور اعلیٰ تصوف کثرت میں وحدت کو تلاش کرتے ہیں اور شرک وحدت میں کثرت کو ڈھونڈا کرتا ہے۔ "وحدت" ہی کے مادے سے "اتحاد" بھی ہے اور اتحاد ہی کی ضد ہے اختلاف۔ جناب ابن عربی کے مذکورہ بالا خواب میں اسی حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اپنے پیر یا شیخ کو درمیان میں لا کر کسی سے اختلاف رکھنے کی بجائے

سارے پیروں کے پیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کو دیکھ کر عوامل اتحاد کو تلاش کرنا چاہیئے۔

یہ اتنی اعلیٰ قدر ہے کہ کم از کم وحدتِ امت کے لئے تو اس سے بہتر کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ خوب غور کیجیئے تو اختلافِ امت کا اصل سبب یہی نظر آئے گا کہ ہم میں سے ہر فرقے نے اپنا اپنا جداگانہ پیشوا و امام بنا رکھا ہے صرف امام و پیشوا بنا لینے میں تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن ہوا یہ کہ ہر شے کو اسی امام و پیشوا کی نسبت سے دیکھا جانے لگا۔ یعنی ہر چیز کو پرکھنے کی آخری کسوٹی واحد معیار اور تنہا سند وہی امام بن گیا۔ گویا وہ جس بات کو صحیح کر دے وہ صحیح، اور جسے وہ غلط بتلائے وہ غلط۔ مثلاً فرض کیجیئے ایک امام کہتا ہے کہ دفعتہً تین طلاقیں منعقد ہوتی ہیں اور دوسرا کہتا ہے کہ رجعی ہوتی ہیں تو دونوں کے پیرو اپنے اپنے موقف پر قائم رہیں گے اور کوئی بھی اپنا تقلیدی مسلک نہ چھوڑے گا کیونکہ جسے اس نے آخری سند تسلیم کیا ہے وہ اس سے ہٹنے پر آمادہ نہیں۔ لہذا اتحاد کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

اسلام نے تو اس معاملے میں ایسی فراخدلی اور توسّع اختیار کیا ہے کہ اس سے بالاتر کوئی تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً قرآن کہتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (مسلمانوں، یہودیوں، نصرانیوں اور صابئیوں میں جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور اس کے مطابق عمل کرے ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ما قرآن کے حکم کے مطابق آنحضرت اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت یوں دیتے ہیں کہ: تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔۔۔۔ (آؤ ایک ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں و برابر ہو وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور ہم میں کوئی بھی کسی کو اللہ کے مقابلے میں رب نہ بنائے گا ما اور ان سب کا نچوڑ حضور نے چند لفظوں میں یوں ادا فرما دیا کہ: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جو بھی لا الہ الا اللہ کا قائل ہو وہ جنتی ہوگا)، بس یہی ہے آخری مرکز اتحاد جس سے زیادہ جامع، وسیع اور ہمہ گیر اور کوئی مرکز ممکن نہیں۔ زیادہ واضح لفظوں

میں یوں کہیے کہ مثلاً "حنفیت" پر تمام حنفیہ متحد ہو سکتے ہیں لیکن غیر حنفی اس سے نکل جائیں گے، اسی طرح "سنیت" پر تمام سنّی جمع ہو سکتے ہیں مگر غیر سنی اس سے خارج ہو جائیں گے۔ اسی طرح کسی پیغمبر پہ صرف اس کی "امتِ اجابت" ہی مجتمع ہو سکتی ہے باقی ساری دنیا اس سے باہر ہوگی۔ لیکن وحدتِ ربانی وہ مرکزی دعوت ہے جس پہ سارے بنی آدم اور ساری انسانی برادری اکٹھا ہو سکتی ہے۔

وحدتِ انسانی سے پہلے وحدتِ امت ضروری ہے۔ خاتم النبیینؐ کے پیغام وحدتِ انسانی کے بعد قدرۃً دو گروہ ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ جو اس تصور کے پیغام کو مانے اور دوسرا وہ جو اس سے انکار کرے۔ اسی حقیقت کو قرآنی اصطلاح میں اسلام اور کفر کہتے ہیں۔ دوسری طرف امت ہی کے اندر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے نزدیک وحدت امت باقی رہے یا ختم ہو جائے اور اصل دین باقی رہے یا نہ رہے مگر ان کا اپنا فرقہ اور اس کے محدود تصورات ضرور باقی رہیں۔ یہی وہ جذبہ ہے جسے قرآن نے شرک بتایا ہے۔ اسے ہم جنوری ۱۹۶۲ء کے "ثقافت" میں "توحید و شرک" والے مضمون میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

سوچیے کہ نسل کو اسلام نے قومیت کی بنیاد کیوں نہیں بنایا؟ یہ کیوں ہوا کہ حقیقی عم رسول صلعم (ابولہب) کو کافر اور جہنم کا ایندھن بتایا گیا اور بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور عبداللہ بن سلامؓ کو آغوشِ فردوس میں جگہ دی گئی؟ اگر نسل کو بنیادِ قومیت قرار دیا جاتا تو اس نسل کے سوا باقی تمام نسلوں کے لئے دروازہ بند ہو جاتا اور وحدت انسانی کے لئے کوئی جگہ ہی نہ رہتی۔ اسی طرح رنگ، زبان، پیشے اور وطن کو بھی سمجھ لیجئے۔ ان میں سے کوئی شے بھی ایسی نہیں جو وحدتِ انسانی تو کجا وحدتِ امت کا بھی مقصد پورا کر سکے۔ بالکل یہی شکل فرقہ بندیوں کی بھی ہے کوئی ایک فرقہ بھی ایسا نہیں جو وحدتِ امت کے مقصد کو پورا کر سکے۔

مجھے یہاں یہ بات نہیں بھولتی جو قائداعظمؒ نے کئی بار کہی تھی۔ ان سے جب بھی کسی نے دریافت کیا کہ پاکستان کا دستور کیا ہوگا تو انہوں نے ایک ہی جواب دیا کہ قرآن ــــ وہ اللہ کا بندہ کبھی اس سے نیچے اترا ہی نہیں اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیے کہ انہیں دوسرے علوم اسلامی سے انکار تھا۔ فہم قرآن کے لئے

احادیث و روایات، فقہی مکاتب فکر، تاریخ، لغت، صرف، نحو، معانی، بیان وغیرہ سب ہی ضروری ہیں لیکن ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے نقطۂ اتحاد، مرکزِ دعوت اور کلمہ سواء صرف قرآن ہی ہو سکتا ہے۔ دیگر تمام علوم بھی احسب مراتب اسلامی ہی علوم میں داخل ہیں اور سب ہی فہم قرآن میں مددگار ہیں لیکن جسطرح رنگ، نسل، زبان، وطن، پیشے کے اختلافات کے باوجود کلمہ "لا اِلٰہ اِلَّا اللہ" وحدت انسانی کی بنیاد ہے اسی طرح روایات، تاریخ، فقہ وغیرہ کے اختلافات کے باوجود وحدت امت کی اساس صرف قرآن ہے اس سے جس قدر نیچے اترتے جائیں گے اسی قدر تفریق امت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس لئے اگر ہم وحدت امت چاہتے ہیں تو کسی دوسری چیز سے اتنا نہیں چمٹنا چاہیئے جو قرآنی وابستگی پر حاوی و مسلط ہو جائے۔

ابن عربی کے مذکورۂ بالا خواب میں ایک بڑی اعلیٰ قدر اخلاص نیت بھی ہے آپ نے دیکھ لیا کہ جب تک ان کے شیخ ایک مکمل واسطہ بنے رہے انہیں قاضی سے سخت نفرت رہی لیکن جوں ہی محمدٌ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصلی واسطہ بنے یہ اختلاف دور ہو گیا۔ پہلے بھی اخلاص تھا لیکن صرف شیخ تک محدود تھا جب اس اخلاص میں بلندی و وسعت پیدا ہوئی تو اوپر شیخ الشیوخ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور نے اس اخلاص کی محدودیت کو ختم کر دیا جو اب تک صرف شیخ سے وابستہ تھا۔ کسی شخصیت یا فرقے سے وابستگی اخلاص کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ اس اخلاص کا رخ صحیح سمت میں نہ بھی ہو تو وہ اخلاص مستحق اجر ہو گا۔ خاطی مجتہد کی طرح وہ ایک اجر کا تو حقدار ہو گا ہی۔ لیکن آیا وہ واقعی مخلص ہے یا نہیں اس کی پرکھ صرف اس وقت ہو گی جب آخری سند اور آخری حجت اس کے سامنے آ جائے۔ قرآن اور عقل کی واضح بات سامنے آ جائے اور حق بات کا علم ہو جائے اور اس وقت بھی کوئی اپنی سابق بات پر اڑا رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اخلاص نہیں بلکہ محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اگر اخلاص ہو گا تو اس کی واحد پہچان یہ ہے کہ جس طرح وہ ایک غلط فہمی میں مخلص تھا اسی طرح صحیح فہمی میں بھی مخلص ہو گا علم آ جانے کے بعد وہ کسی شخصیت یا فرقے کی بات سے چمٹا نہیں رہے گا کیونکہ مخلص جویائے حق ہوتا ہے۔ اسے جہاں حق نظر آئے گا اسے لے لیگا۔

قرآن نے انہی اہل کتاب اور دوسرے منکرین کی برائی کی ہے جنہوں نے حق کو پہچانتے اور سمجھنے کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کیا اگر حقیقت ان پر منکشف نہ ہوتی تو ایک غلطی پر اخلاص سے قائم رہنا غالباً اتنا

بڑا جرم نہ ہوتا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص زہر آمیختہ شہد کو لاعلمی میں چاٹتا ہے اور دوسرا جان بوجھ کر چاٹتا ہے، مریں گے تو دونوں ہی۔ لیکن دونوں کی نوعیت میں بڑا فرق ہوگا۔ ایک غلط فہمی کا شکار ہے اور دوسرا خودکشی جیسے گناہ عظیم کا مرتکب۔ ایک ہمدردی کا مستحق ہے اور دوسرا سزا کا حقدار۔ ان دونوں میں ہر لحاظ سے وہی فرق ہے جو اوپر سے پھسل کر گرنے والے اور ایک خودکشی کے ارادے سے کودنے والے میں ہے۔ چوٹ دونوں کھائیں گے لیکن ایک بے گناہ ہوگا اور دوسرا مجرم۔ بالکل یہی صورت اخلاص اور ہٹ دھرمی کی ہے۔ مخلص اگر اخلاص کے ساتھ کسی غلطی پر قائم ہے تو یہ اس کی نادانی اور بے وقوفی ہوگی۔ اور اگر خطا و صواب کی تمیز رکھنے اور حقیقتِ حال کو جاننے پہچاننے کے باوجود کوئی غلطی پر قائم رہتا ہے تو یہ ضد، ہٹ دھرمی، منافقت اور مجرمانہ حرکت ہوگی۔ غرض اخلاص بڑی عجیب نعمت ہے لیکن اس کی پرکھ اسی وقت ہوتی ہے جب حق واضح ہو کر سامنے آجائے اس وقت مخلص غلط شے کو چھوڑ دیگا اور غیر مخلص اپنی غلطی پر اڑا رہے گا۔

ابن عربی کا اخلاص اپنے شیخ کے ساتھ سچا تھا اور قاضی صاحب سے ان کی نفرت بھی مخلصانہ تھی۔ لیکن جوں ہی ایک وسیع تر حقیقت ان کے سامنے بے نقاب ہوئی اسی وقت انھوں نے اپنی نفرت دور کر دی۔ اگر وہ اپنی نفرتِ سابقہ میں مخلص نہ ہوتے تو انکشافِ حقیقت کے بعد بھی اپنی اسی نفرت پر قائم رہتے لیکن یہ ان کا اخلاص ہی تھا جس نے نفرت کو محبت میں تبدیل کر دیا۔ اسی اخلاص کے لئے ایک دوسرا بلیغ و جامع لفظ ہے للّٰھیت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: من احب للّٰہ وابغض للّٰہ واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان وہ شخص کامل الایمان ہے جو محبت کرے تو اللہ کے لئے۔ بغض رکھے تو للّٰھیت کے ساتھ۔ دے تو للّٰھیت سے اور دینے سے باز رہے تو اخلاص کی بنا پر۔